منفرد مزاح نگار: مشتاق احمد یوسفی

شہاب ظفر اعظمی

شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ (بہار)

طنز و مزاح مہذب قوموں اور ترقی یافتہ زبانوں کی صفت ہے۔ اس کے توسط سے انشراحِ قلب اور شگفتگی و شادابی کی ایک ایسی نعمت بھی حاصل ہوتی ہے جو انسان کی روز مرہ کی زندگی کی تلخ نا کامیوں اور کلفتوں کو کسی حد تک گوارا بنا دیتی ہے اور یہ دنیا رہنے کے لائق نظر آنے لگتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو ذہنی کشمکش اور دل گرفتی کی بہتات ہے اس سے نجات پانے کے لیے طنز و مزاح ایک اہم ادبی صنف ہے اسی لیے ہمارے شعرا اور ادیبوں نے اس سے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ کبھی سماج کے مضحک پہلوؤں کو آئینہ دکھایا ہے، کبھی روز مرّہ کی زندگی کی ناہمواریوں کو اجاگر کیا ہے اور کبھی خود اپنے آپ پر ہنس کر دوسروں کے لیے تفریحِ طبع کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں طنز و مزاح کی روایت نہ صرف پرانی ہے بلکہ دیگر جدید ہندوستانی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ توانگر بھی۔ یہ بیان دلچسپ ہے کہ کوئی پندرہ بیس سال قبل پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں جدید ہندوستانی زبانوں میں طنز و ظرافت کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا گیا تھا جس کے چرچے انگریزی اخباروں میں رہے۔ اس مقالے میں کہا گیا تھا کہ طنز و مزاح میں ہندی کا سرمایہ دیگر زبانوں بشمول اردو کے مقابلے میں کمتر ہے۔ ایسا اس لیے ہوسکا کہ طنز و مزاح ہماری ادبی روایت کا اہم حصّہ ہے اور یہ صورت حال شروع سے رہی ہے۔ دکن سے وجود میں آنے والی قدیم اردو ہو یا شمالی ہند کی ترقی پذیر نظم و نثر، ہمیں ہر جگہ شعر و نثر، دونوں میں ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ اور خوش طبعی کی جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ آزادی سے قبل کے غیر تقسیم ہندوستان میں طنز و مزاح کی ایک مستحکم روایت قائم ہو چکی تھی غالب کے خطوط سے اودھ پنچ تک اور اس کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ سے رشید احمد صدیقی اور پطرس بخاری تک، یہ ایک چھتنار درخت کے مانند بن گئی تھی۔ اسی مستحکم روایت کو نیا معیار و وقار عطا کرنے والا ایک بڑا اور اہم نام مشتاق احمد یوسفی ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کے معاصرین میں یوں تو کئی نام اہم اور قابل ذکر ہیں جنھوں نے طنز نگاری کو فروغ دیا اور مزاح نگاری کی نئی جہتیں تلاش کیں، مگر ان سب سے الگ مشتاق احمد یوسفی نے طنز و مزاح کا ایک اچھوتا اور منفرد معیار قائم کیا جس سے اردو ادب ابھی تک نا آشنا تھا زبان پر ماہرانہ عبور، انسانی فطرت اور نفسیات سے گہری شناسائی، زندگی کی ناہمواریوں کا دانشورانہ ادراک اور لفظوں کا تخلیقی استعمال ان تحریروں کے مابہ الامتیاز جوہر ہیں وہ جس طرح اردو کے الفاظ و تراکیب کی تقلیب کر کے اس میں نئے اور مضحک معنی پیدا کرتے ہیں اس سے ان کی بے پناہ ذہانت اور فطانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اردو کے ممتاز نقادوں نے مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری کے اعلیٰ ادبی معیار پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ ان کے تصرفات سے اردو نثر اپنی معراج پر پہنچ گئی ہے۔

یہ تو صحیح طور سے نہیں معلوم کہ یوسفی نے مزاح نگاری کی ابتدا کب اور کن حالات میں کی، لیکن اُن کے کھٹ میٹھے مضامین کا پہلا مجموعہ ''چراغ تلے'' ۱۹۶۱ء میں منظرِ عام پر آیا اور پڑھنے والوں نے حیرت انگیز مسرت کے ساتھ اس کی پذیرائی کی۔ ان کی اس ابتدائی کاوش میں بھی اردو کی روایتی مزاح نگاری سے ہٹ کر چیزے دگر کا احساس ہوتا ہے اور شروع ہی میں نقادوں کو بتا دیتا ہے کہ یوسفی کی تحریروں کے اجزائے ترکیبی میں شگفتہ نگاری، اسلوب کی انفرادیت، تہہ داری، انشا پردازی اور تخلیقی زبان کا ماہرانہ استعمال شامل ہیں اور ان عناصر کے متوازن امتزاج نے ان کی مزاح نگاری کو قدر اول کی چیز بنا دیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کو زندگی کے ہمہ جہت رنگوں کو پرکھنے اور برتنے کا ایک وسیع تناظر ملا۔ وہ ٹونک، راجستھان میں پیدا ہوئے، جے پور، آگرہ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی، کراچی میں بینک کاری کے پیشے سے منسلک ہوئے اور دس سال تک زندگی کے گوناگوں تجربات حاصل کئے۔

ان تجربات میں سب سے اہم بھانت بھانت کے لوگوں سے ملنا اور اُن کی نفسیات سے واقف ہونا ہے۔ وہ کوئی منظر دکھائیں یا واقعہ سنائیں، خود اُس منظر یا واقعے کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے اُن کی تحریروں میں درد مندی اور دلسوزی کی ایک زیریں لہر ہمیشہ موجود رہتی ہے۔

آٹھ عدد خاکوں اور مزاحیوں پر مشتمل یوسفی کی دوسری کتاب ''خاکم بدہن'' ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آئی جس سے پتہ چلا کہ یوسفی خاکہ اڑانے میں بھی ماہر ہیں۔ وہ خاکہ اڑاتے ہیں اور جم کر اڑاتے ہیں، مگر تضحیک و تحقیر یا کدورت کا شائبہ اُن کی تحریر میں نظر نہیں آتا۔ ''خاکم بدہن'' کے مضامین میں یوسفی کی پہلی تصنیف ''چراغ تلے'' کے مقابلے میں زیادہ وسعت، گہرائی اور رنگا رنگی ہے، اس میں انسانی نفسیات کا مطالعہ کچھ اور زیادہ نکھر کر سامنے آیا ہے۔ ''زرگزشت'' بھی اگرچہ یوسفی کی سوانح عمری یا ان کے بینکنگ کیریئر کی کہانی ہے، مگر ان کا خاص موضوع مختلف قسم کے انسانوں کے مزاج کی شہرت اور افتادِ طبع کا نفسیاتی مطالعہ ہے اور وہ انہی سے مزاح کے نئے نئے پہلو برآمد کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کے موضوعات میں وسعت اور گہرائی اور ان کے مزاح میں قدرت، تنوع اور طرفگی دوسروں سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ انسان سے ہمدردی رکھتے ہیں، مگر اس کی زندگی کے ان پہلوؤں کو جن کی صاحب معاملہ کو خبر بھی نہیں ہوتی اس طرح منظرِ عام پر لے آتے ہیں، اور اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ مزاح کے شرارے خود بخود پھوٹنے لگتے ہیں۔

۱۹۹۰ء میں یوسفی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ''آبِ گم'' منظرِ عام پر آئی۔ یہ بقول شخصے ان کرداروں کی داستان ہے جو اپنی ناسٹلجیا کو سینے سے لگائے ہوئے وقت کی قربان گاہ پر شہید ہو جاتے ہیں، مگر نہ اُن کو شہادت کا درجہ ملتا ہے اور نہ وہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہوتے ہیں۔ ''آبِ گم'' دراصل مشتاق یوسفی اور ان پاکستانیوں کا ناسٹلجیا ہے جو تقسیم ملک کے بعد ہجرت کر کے اپنے خوابوں کی سرزمین پاکستان گئے تھے اور جس نے آج تک انھیں گلے سے نہیں لگایا اور ہمیشہ ''مہاجر'' کی تہمت ان پر لگی رہی۔ اس کے کردار اور روزمرہ کے وہ عام اور معصوم کردار ہیں جو معاشرے میں چاروں طرف بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ یوسفی کا کمال یہ ہے کہ ان عام کرداروں میں بھی انہوں نے انسانی اوصاف کی بلندی و پستی کو نہایت دور بینی سے پیش کیا ہے۔ یہاں طنز کے مقابلے ان کا قلم مزاحیہ واقعہ نگاری، مضحک صورتِ حال اور کرداروں کی کج رویوں سے پیدا ہونے والے لطیفوں کے اردگرد گھومتا ہے۔

معتبر ناقد شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''طنز یا ظرافت کا پیرایہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جسے اپنے اوپر بھی ہنسی آتی ہو اور وہ دوسرں کی باتوں یا کاموں میں مضمر بے تکے پن کو محسوس کر سکتا ہو۔ جسے خود پر ہنسی نہیں آتی وہ دوسروں کی خندہ آور باتوں پر نہیں ہنس سکتا۔''

یوسفی نے اپنی حیات اور اپنے معاشرے کی بے اعتدالیوں پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے اور ان پر جی کھول کر قہقہہ لگایا ہے۔ اپنے ہی زخموں کو کرید کر قہقہے لگانا بڑے دل گردے کی بات ہے، مگر یوسفی میں یہ جرأت ہے۔ دوسروں میں عیب تلاش کرنا آسان ہے مگر خود اپنی نادانیوں اور بوالعجبیوں پر مسکرانا بہت مشکل ہے۔ اپنی چاک دامانی پہ کون مسکراتا ہے، یہاں بڑے بڑوں کے قدم تو ڈگمگا جاتے ہیں۔ اپنی کتاب کے دیباچے ''پہلا پتھر'' کے آخر میں مرزا سے تعارف کراتے ہوئے یوسفی اسے اپنا ہمزاد بتاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یوسفی نے خود اپنے آپ کو غیر تصور کر کے اپنا مضحکہ اڑایا ہے۔ مثال کے طور پر جملے ملاحظہ کیجئے:

> ''پیشانی اور سر کی حد فاصل اڑ چکی ہے لہٰذا ناک دھوتے وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں۔ ناک میں بذات کوئی نقص نہیں، مگر بعض دوستوں کا خیال ہے کہ چھوٹے چہرے پر لگی ہوئی ہے۔''

انسانی کرداروں کے علاوہ زیادہ تر مضامین میں یوسفی صاحب ہمارے معاشرے کی مضحکہ خیز غلطیوں کے پرمزاح نقاد ہیں۔ ''پڑیے گر بیمار'' میں ہمارے تیمارداری کے عام طریقے ''صنف لاغر'' میں آج کل کی عورتوں کے اپنے کو دبلا بنانے کی حماقت زدہ کوششوں اور ''کاغذی پیرہن'' میں ننگی مصوری کے ذوق کو انھوں نے بے نقاب کیا ہے۔ ''موسموں کا شہر'' میں یوسفی صاحب نے ان لوگوں کی بے لاگ کھنچائی کی ہے جو بات بات پر اپنے شہر کے موسم کو بُرا کہتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یوسفی کے مزاح میں یکسانیت کے بجائے تنوع کا احساس ملتا ہے۔ ہمارے ادب کی روایات میں سارا کھیل طرز ادا یا اسلوب بیانی

کا ہے اور مزاح بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سودا کی ہجو میں، غالب کے خطوط، اکبر کے اشعار، رشید احمد صدیقی اور پطرس کے مضامین، زیادہ تر پر اثر عمدہ فقروں، چست جملوں، دور از قیاس تشبیہوں اور استعاروں محاوروں، ضرب الامثال اور اشعار کو ردو بدل کر کے مضحک بنا دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ یوسفی صاحب کے طنز میں بھی اس عمل کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں ان کا سب سے کامیاب اور بڑا حربہ ''پیروڈی'' یعنی تحریف ہے۔ اعلیٰ پائے کی پیروڈی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنی اس کی اصل۔ مشتاق یوسفی کے مضامین میں شامل اس کا ہر مصرع ضرب الامثال محاورے اور بعض الفاظ صحیح خدوخال میں جلوہ گر نہیں ہوتے۔ یوسفی ان کی شکل و شباہت سے کھیلتے ہیں اور معمولی الفاظ کے پھیر بدل سے انہیں مضحک بنا کر اپنے نفس مضمون سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ ان کی پیروڈیاں بھرتی کے اشعار کی سی نہیں بلکہ بیت الغزل کا درجہ رکھتی ہیں، مثال کے طور پر یہ چند مصرعے ملاحظہ کیجئے جن میں ایک دو لفظوں کے ردو بدل سے جو برجستہ صورت حال پیدا ہوئی ہے وہ دیر تک ہماری یاد کا حصّہ بنی رہتی ہے :

پھرتے ہیں سود خوار کوئی پوچھتا نہیں
نہ کوئی خندہ رہا اور نہ کوئی خندہ نواز
رقم بڑھتی گئی جوں جوں ادا کی
پہنچی وہیں پہ نان جہاں کا خمیر تھا

اور یہ شعر:

ان ہی پتھروں سے چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی فاختہ نہیں ہے

یا یہ اقتباس دیکھئے:

''یہاں تو بزنس کرنا ایسا ہے جیسے سنگھاڑے کے تالاب میں تیرنا۔ کانپور ہی کے چھٹے ہوئے چھاکٹے یہاں شیر بنے دندناتے پھرتے ہیں اور اچھے اچھے شرفا ہیں کہ گیدڑ کی طرح دم کٹوا کر بھٹ میں جا بیٹھے۔ ایسا بجوگ پڑا کہ:

خود بخود بل میں ہے ہر شخص سمایا جاتا

جو دانا ہیں وہ اپنی دُمیں چھپائے بلوں میں گھسے بیٹھے ہیں۔ باہر نکلنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ اس پر مرزا نے ہمارے کان میں کہا:

''انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ''

غور فرمائیں پہلے مصرعے میں ایک لفظ کی تحریف سے المیے کو طربیہ بنا دیا گیا جب کہ دوسرے مصرعے میں ایک حرکت کی تبدیلی سے صورتِ حال مضحکہ خیز ہوگئی اور یہ دونوں مصرعے نفس مضمون سے اِس طرح ہم آہنگ ہیں جیسے اِسی جگہ کے لیے کہے گئے ہوں۔

ایک شعر سنئے::

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک عقد ناگہانی اور ہے

غرض ان پیروڈیوں کے مطالعے سے جہاں یوسفی کی جودت فکر، ندرت بیان اور ان کے مخصوص اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے وہیں وہ بحیثیت زبان داں کے بھی اپنا سکّہ قارئین کے دلوں پر بٹھا دیتے ہیں۔ زبان کا اتنا بھرپور، برجستہ اور تخلیقی استعمال آسان کام نہیں۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یوسفی جب پیروڈیوں کے حربوں کا اتنا خوبصورت استعمال کر سکتے ہیں تو مزاح کے دیگر حربوں مثلاً فقرہ بازی، قول محال، تضاد، ترکیب سازی، تشبیہات، تمثیلات اور محاورات سے کس خوبی کے ساتھ کام لیتے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یوسفی کی زبان دانی سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونا ہے تو تنقیدی مضمون کے بجائے براہ راست ان کی تحریروں کا مطالعہ کیجئے اور اُن کی فن کاری پر عش عش کیجئے۔ آخر میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ شامت اعمال سے ہمارے تنقید نگار جہاں کسی مزاحیہ شاعر سے متاثر ہوتے ہیں اسے جھٹ پٹ اکبر ثانی اور کسی مزاحیہ نثر نگار سے متاثر ہوتے ہیں تو اسے ثانی رشید احمد صدیقی قرار دیے دیتے ہیں۔ یوسفی صاحب کو بھی بہت سے لوگوں نے رشید احمد صدیقی کا پیروکار یا پطرس سے متاثر بتا کر اُن کی انفرادیت یا اہمیت کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ چند موضوعات کی یکسانیت ہو مثلاً چارپائی اور کلچر یا 'کتا' وغیرہ۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ رشید احمد، رشید احمد تھے، پطرس 'پطرس، تھے اور یوسفی یوسفی ہیں۔ اُن کا اپنا اسلوب تھا، اپنا انداز تھا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی اپنی دنیا تھی، اپنا زمانہ تھا۔ ہر فرد کا اپنا ایک تشخص ہوتا ہے۔ چنانچہ مشتاق یوسفی کا بھی اپنا تشخص ہے، اپنا اسلوب اور اپنا انداز ہے۔ چند مضامین یا عنوانات کی مماثلت سے ان کا اپنا اسلوب اور منفرد انداز فکر متاثر نہیں ہوسکتا۔

○○